ترنم ریاض کی شاعری کی فکری جہات

ڈاکٹر روحی سلطان

ترنم ریاض اردو ادب کے افق پر ایک افسانہ نگار ،ناول نگار،شاعرہ ،مترجم،تبصرہ نگار،محقق اور تنقید نگار کی حیثیت سے ابھر کر ایک متاثر کُن تخلیق کار کی اور غیر معمولی صلاحیتوں کی حامل فنکار نظر آتی ہیں ۔ پرانی کتابوں کی خوشبو، بھادوں کے چاند تلے، زیر سبزہ محوخواب اور چاند لڑکی جیسے شعری مجموعوں کی تخلیق کار ترنم ریاض اس حیثیت سے منفرد مقام رکھتی ہیں کہ وہ فن کے بنیادی اصولوں کی پاسداری کرتے ہوئے کئی اصناف میں طبع آزمائی کرتی نظر آتی ہیں۔ان کا زندگی دیکھنے کا ایک منفرد نقطہ نظر ہے۔جس کی جھلک ان کی تمام تر تحریروں میں جا بجا دیکھنے کو ملتی ہے۔ان کے یہاں ماحول اور حالات کا عکس صاف نظر آتا ہے، جسے انھوں نے اپنی تحریروں میں بے باکی سے دکھانے کی کوشش کی ہے۔انھوں نے شاندار نظمیں کہی ہیں اور زندگی کے بے شمار مسائل کو شعری پیکر عطا کیا ہے۔ترنم ریاض بنیادی طور پر نظموں کی شاعرہ ہیں۔بصیر و سمیع ،ندیوں میں ہماری اشک بھرے، ہو تیری عمر میں برکت، یاد کی وادیاں، زنگ آلودہ قلم وغیرہ بہترین نظموں کا درجہ رکھتی ہیں۔ان کے کلام میں نظموں

کی بہ نسبت غزلیں کم ملتی ہیں۔

ان کے شعری مجموعے ''پرانی کتابوں کی خوشبو'' میں مناظر فطرت سے لے کر انسانی مسائل اور انسانی رشتوں کی گوناگوں کیفیات کی فنکارانہ تجسیم نظر آتی ہے۔مثال کے طور پر ''شامِ تنہا'' میں کس طرح سے خود کو درد وغم میں مبتلا پا کر اپنے جذبات کی عکاسی کرتی ہیں۔ملاحظہ فرمائیں:

شامِ تنہا

یونہی چپ چاپ اندھیرے لے کر
گھر کے اندر ہی چلی آئی ہے
بتیاں گل کر کے بیٹھے رہیں
شام کو اور کچھ اداس کریں
رنج اور غم کو پاس پاس کریں

تنہائی ایک انسانی جبلت ہے۔انسانی شعور کے آغاز ہی سے یہ فرد کی داخلی کائنات میں بود و باش رکھتی ہے۔قیود زمان و مکاں سے بے نیاز ہر فرد کے تجربے کا ناگزیر حصہ رہی ہے۔انسان کی داخلیت کی سرحد میں پہلی ملاقات تنہائی سے ہی ہوتی ہے۔داخلیت انسان کے اولین تجربات و محسوسات کا نام ہے۔اس کائنات اور لوگوں کی گھنی آبادی میں فرد خود کو اکیلا محسوس کرتا ہے۔اکیلے پن کا تجربہ اس کو اپنے وجود کا احساس دلاتا ہے۔یعنی فرد اپنے انفرادی وجود کے احساس و شعور کے لیے اپنی جبلتِ تنہائی کا مرہونِ منت ہے۔اکیلے پن کا احساس فرد کو درد وغم سے دوچار کرتا ہے۔تنہائی کا احساس بذاتِ خود ایک کرب ہے۔تنہائی فرد کو ذمہ داری اور فرض کا احساس بھی دلاتی ہے کہ وہ خود اپنا کاتبِ تقدیر اور اپنی زندگی کا معمار ہے۔ذمہ داری

کا شعور بھی اس میں نا امیدی اور دردِ غم کا احساس جگاتا ہے۔تنہائی فرد کے تمام داخلی تجربوں کی بنیاد ہے اور اس کے ہر درد و غم اور رنج والم کا سرچشمہ ہے۔

یوں تو تنہائی کو ابتداء سے ہی تقریباً سبھی شعرا نے ایک اہم موضوع کے طور پر برتا ہے۔فرق صرف اتنا ہے کہ ابتدا میں جن شعرا نے ''تنہائی'' کا انتخاب کیا، اُس کا مطلب سکون و یکسوئی کا سامان مہیا کرنا تھا۔لیکن آج کے دور کی تنہائی زندگی سے اُکتاہٹ کا ثمرہ ہے۔ترنم ریاض کے یہاں تنہائی معاشرے کے ہر فرد کی تنہائی ہے جو بڑی ہنگامہ خیز اور کرب انگیز ہے۔ان کی شاعری میں سناٹے چیختے ہیں، خاموشیاں طوفان اٹھاتی ہیں۔وہ معاشرے کا فرد ہو کر بھی خود کو اس سے دور رکھنا چاہتی ہے۔

تنہائی کے علاوہ اور بھی کئی معنیاتی جہتیں ان کی شاعری میں نمایاں ہیں جیسے غم، قربانی، بے حسی، ڈر اور دیگر جذبات کا انھوں نے صداقت کے ساتھ اپنی شاعری میں اظہار کیا ہے۔انسان غم میں جب مبتلا ہوتا ہے وہ بعض اوقات سمجھتا ہے کہ سارا عالم غم میں ڈوبا ہوا ہے۔شاعر اپنی حساسیت کی بنا پر ساری کائنات کو طوفانِ غم میں ڈوبو دیتا ہے۔وہ محسوس کرتا ہے کہ فطرت اس کے غم میں شریک ہے۔اسے محسوس ہوتا ہے کہ وہ جب آہ وفغاں کرتا ہے تو شبنم بھی اس کے ساتھ ہمدردی کی بنا پر آنسو بہا رہی ہے۔اسی معمولی سی شے کا زیاں بھی اُسے غم واندوہ کی ناقابل برداشت کیفیت میں مبتلا کر دیتا ہے۔مثال کے طور پر ترنم ریاض کی یہ نظم ملاحظہ فرمائیں:۔

اُس کا غم

جس دن اُس کے ہاتھوں میں
مر گئی تھی اس کی پیاری چڑیا

اس دن اُس کے غم نے
ہر ایک شے کو
غمگین کر ڈالا تھا
میں گر اس کے پاس ٹھہرتا
تو مر جاتا!

مندرجہ بالا نظم یہ احساس دلاتی ہے کہ ترنم ریاض نے دنیا کے دوسرے شعرا کی طرح یہ محسوس کیا ہے کہ غم کے موقع پر فطرت بھی اس کی ہمدردی میں غمگین ہو گئی ہے۔اس کے علاوہ مناظر قدرت کے کئی سارے رنگ ان کے مجموعے ''پرانی کتابوں کی خوشبو'' میں نظر آتے ہیں۔مناظر قدرت میں رات کے وقت بادلوں اور چاند کی آنکھ مچولی کا ایک ایسا دلآویز نظارہ ہے جس سے ہر شخص سرور اور لذت حاصل کرتا ہے۔کالے کالے بادلوں میں خصوصاً موسم برسات یا گرما میں کبھی چاند نکل آتا ہے، کبھی چھپ جاتا ہے، کبھی دوڑتا ہوا دکھائی دیتا ہے، کبھی مسکراتا ہے کبھی سمین پھول زمین پر برساتا ہے تو کبھی نئی نویلی دلہن کی طرح گھونگھٹ اوڑھ لیتا ہے اور گھونگھٹ کی ریشمی ناز آفرین تاروں میں سے جھلک دکھاتا ہے۔ بہت کم شعراء اس طرح کے نظاروں کو بیان کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں؛ جن میں ترنم ریاض کا نام بھی اہمیت کا حامل ہے۔نمونے کے طور پر ایک نظم دیکھیں:۔

شام کی بارش

کون سے کوہ کی آڑ میں لی خورشید نے جا کر آج پناہ
چو طرفہ یلغار سی کی ہے ابر نے بھی تا حدِ نظر
دھیمے چلتے کا بادل ،اڑتی سی اجلی بدلی

رقصاں رقصاں جھلک دکھا کر رہ جاتی ہے برق کبھی
پتوں کے جھرمٹ میں سائے کجلائے لہرائے سے
پھول حلیمی سے سرخم اور کلیاں کچھ شرمائی سیں
دانستہ بارش میں اڑتے پھرتے اوارہ طائر
یہاں وہاں بیٹھے کتنے بھگیں چپ چپ خوش ہو ہو کر
بجلی کی مانوس کڑک، شہ زور گرج یہ بادل کی
اب کے کتنی دھوپیں ہم نے اس موسم کی راہ تکی

پرندوں اور مختلف جانوروں کے اسما پر ان کی کئی نظمیں دیدنی ہیں۔ پرندے ذہنی صحت کے مسائل میں مبتلا افراد کی بہتری کے لیے مدد کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اس لیے ترنم ریاض کے کلام میں بھی اسطرح کی نظمیں دیکھنے کو ملتی ہیں جیسے ،بلبل، تتلیاں، غزالہ وغیرہ۔

ترنم ریاض بنیادی طور پر ذرائع ابلاغ کے ساتھ وابستہ رہی ہیں۔ ذرائع ابلاغ سے وابستگی کی وجہ سے ان کی ادبی کاوشیں بھی معیار کے اعتبار سے ایک منفرد مقام رکھتی ہیں۔ ترنم نے علوم انسانیہ اور اس کے مختلف تصورات کو کہیں خارجی سطح پر برتا ہے اور کہیں داخلی سطح کا آئینہ دار بنا دیا ہے۔ اس تعلق سے ان کے اشعار بعض مقامات پر قومی اور ملکی ذہانت کے عکاس بن جاتے ہیں اور بعض مقامات پر ان کے زیر اثر زندگی کرنے والے ذہنوں کے نشیب و فراز کا وسیلہ بن جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں انہوں نے لفظیاتی سطح پر تخلیقی دائرہ عمل سے تجاوز نہیں کیا۔ یہ دائرہ عمل جہاں قومی اور ملکی ذہانت کو خانوں میں نہیں بانٹتا، وہیں اپنی انفرادیت کو برقرار رکھتے ہوئے ایک دوسرے سے متاثر ہوتے ہوئے ترویج و ترقی کی راہوں کی تلاش اور زوال کے

اسباب کو از سرِ نو دریافت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔اس کے علاوہ تقسیم ملک سے بھی متاثر جذبات کی عکاسی ان کے کلام میں دیکھنے کو ملتی ہے۔

ہندو پاک

ہمارے زلزلے ساجھے
سبھی طغیانیاں ساجھیں
فلک ساجھا زمیں ساجھی
بہت سی بولیاں ساجھیں
ہیں ملبوسات اک جیسے
بدن یکسان رنگت کے
ہیں نین اور نقش بھی اک سے

ترنم ریاض کے اشعار میں جو کشمکش اور آویزش نظر آتی ہے؛اس کی ایک مضبوط روایت موجود ہے۔ان کا کشمیری ذہن مجموعی طور پر جدید ہونے کے باوجود روایت کا خاصا اثر رکھتا ہے۔اس میں ان کے قومی مزاج کا بڑا دخل ہے کہ صدیوں کے اثر کے نتائج اتنی جلد زائل نہیں ہو سکتے۔ان کا یہ رویہ آزادیٔ خیال کے تعلق سے جدید نسل میں واقع خلیج سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے تخلیقی وجود کی اہمیت کو منوانا نہیں ہے بلکہ ان پر جو سماجی،اخلاقی اور تہذیبی ذمہ داریاں ہیں،ان کو بخوبی سمجھتے ہیں۔اس لیے ان کے یہاں تخلیقی معروضیت اپنی روایت کے ساتھ ساتھ مستعار اثباتی قدروں جن کی اصل روایتی قدروں کی تہہ میں پوشیدہ ہے؛کو محض نقالی کے طور پر تصور نہیں کرتی بلکہ اسے روایتی قدروں سے منسلک کر کے سماجی اور معاشرتی ارتقا کے ایک سلسلے کی صورت میں برتتی نظر آتی ہیں۔

ترنم چونکہ اپنوں سے دور دہلی میں مقیم تھیں۔اس مناسبت سے کشمیر کے خوبصورت مناظر کی یاد اور رشتوں سے دوری کا کرب شدت سے ان کی شاعری میں سمویا ہوا ہے۔نمونے کے طور پر چند اشعار ملاحظہ ہو:۔

گئے برسوں کی تصویر

گئے برسوں کی تصویریں
کہ جیسے بات ہو پچھلے جنم کی
اک عجب دل سوز سا غم
روح پر چھائے
لگائے بیٹھے ہو جس پیڑ سے تم ٹیک
اب بھی کیا وہیں ہوگا؟
وہ بلبل اس کی ڈالی پر جو بیٹھی گا رہی ہے
اب کہاں ہوگی؟
وہ پھولوں سے بھری کیاری
وہ ندی اور وہ ٹیلا
اسی صورت میں ہوں گے کیا؟

یعنی اُنھیں یادیں، ہجر، غم، تنہائی، خوف اور خاص کر اندھیروں نے ہر پل گھیر رکھا ہے۔اور یہ اندھیرے مختلف روپ بدل بدل کر انھیں ہر بار نئے نئے زاویوں سے ستانے کا کام کرتے ہیں۔زندگی کی ہر شام بجھی بجھی سی نظر آتی ہے۔ہر دم سینے کے اندر اندھیروں سے گہرے سناٹے چھائے ہوئے نظر آتے ہیں۔روح میں بے سکونی اور دل کے زخم ہر شام میں تازہ ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں۔اس دردِ ہجر نے

ان کے وجود کو گھٹن میں مبتلا کیا ہے۔ یہ گھٹن مختلف پیرایوں سے رنگ بدل بدل کر ان کی شاعری میں ہمارے سامنے آتے ہیں۔ مجموعی طور پر یہ بات بغیر کسی تامل کے کہی جا سکتی ہے کہ ترنم ریاض کی شاعری میں نہ صرف یہ کہ کشمیر کی تہذیب و ثقافت کے مختلف رنگ دیکھنے کو ملتے ہیں بلکہ باایں ہمہ انسانی زندگی کے جملہ مسائل اور طبقۂ نسواں کے جذبات و احساسات پورے آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہیں۔

یاد کی وادیاں

ذرا ذہن کی یاد کی وادیوں میں کھلا چھوڑ آئیں
کہ دامن سے ماضی کی ان دولتوں کو بھلا کیوں لٹائیں
وہ بگیا میں جھولا، وہ چڑیوں کا گانا
وہ کڑیوں میں مٹی سے گوندھا ابابیل کا آشیانہ
وہ گڑیوں کے تحفے وہ پھولوں کے زیور
وہ سوکھی ہوئی ٹہنیوں سے بُنے گھر
وہ نادان سکھیاں وہ بے ربط خوشیاں
وہ بھالو کے قصے وہ خوابوں میں پریاں،
اکیلے میں سوچوں کی محفل سجائیں
کہاں تک بھلائیں

☆☆☆